ڈاکٹر محمد آصف
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان
محمد اشرف
لیکچرار شعبہ اُردو، گورنمنٹ ایمرسن کالج، ملتان

"ریگ دیروز": راشدؔ کے تصور ماضی کی ایک جمالیاتی تجسیم

Dr. Muhammad. Asif
Assistant Professor Department of Urdu, B.Z.U Multan.
Muhammad Ashraf
Lecturer Urdu, Govt. Emerson College Multan.

'Raigg-e-Derooz': The Aesthetic Exploration of Rashid's Perception of the Past

This article explores Rashid's concept of the past by considering the aesthetic and artistic charm of his poem ریگِ دیروز. Rashid is of the view that the past is the symbol of barrenness and nothingness. According to Rashid, the past is overwhelmed by destruction, backwardness, cruelty, ignorance, dictatorship, primitive concept of life. He postulates that the past has nothing to do with our future problems. People who feel nostalgic about the past become a victim of sluggishness. However, he utilises old Persian, Arabic and oriental literature for his creative expression. But he shows no affinity with with the metaphors of the past. Rather, his use of the imagery about the past has a peculiar objective of rejecting the spirit of the past. This reaction against the past is the core and crux of his poetry and it is also reflected in this poem.

Keywords: *Raigg-e-Derooz, Concept of Past, Symbol, Nostalgia, Creative Expression, Emotional Relationship.*

ن ۔م ۔راشدؔ بنیادی طور پر انحراف کا شاعر ہے لیکن اس نے انحراف کو روایت سے ملایا بھی ہے، دوسرے لفظوں میں اس نے تخلیقی سطح پر روایت کو لے کر چلتے ہوئے نئے رویوں کا تعین کیا ہے۔یہی اس کے فن کی انفرادیت ہے۔اس کے ہاں یہ انحراف نہ صرف اسالیب بیان کے اعتبار سے بلکہ معنوی اعتبار سے بھی موجود ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ متعین اور طے شدہ یعنی سکہ بند جذبات و خیالات اور احساسات کا شاعر نہیں بلکہ جدید حسیت

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

کا شاعر ہے۔ وہ محض جدیدیت کے فلسفے کا علمبردار ہی نہیں بلکہ صحیح معنوں میں جدید حسیت کا نمائندہ شاعر بھی ہے۔ بغاوت اس کا بنیادی رویہ ہے، یہ بغاوت طے شدہ الفاظ سے بھی، خیالات سے بھی، جذبات واحساسات سے بھی اور طے شدہ ماضی سے بھی۔ راشدؔ کی شاعری برصغیر کے سیاسی، سماجی اور فکری استبداد کے ردعمل میں ابھری ہے۔ اس کی تخلیق کے پس پشت مشرق کی زبوں حالی اور پسماندگی بھی ہے اور مغرب کی ستم گری بھی۔ وہ مشرق کے قدیم فلسفہ حیات، اس کے رہبرانہ تصوف، درویشی اور اس کی اوہام پرستی اور قدامت پسندی، حال سے نظریں چرانے اور ماضی میں ڈوب جانے کا عمل، یہ اسباب اس کے تخلیقی محرکات میں شامل ہیں۔ جہاں وہ اسالیب کے اعتبار سے مشرق کی قدیم تلمیحات اور روایات کو اپنے تخلیق کا حصہ بناتے ہیں، وہاں ماضی کے بنجرپن کا احساس بھی ان کے ہاں شدید طور پر پایا جاتا ہے۔ گویا ماضی سے ایک عجیب رشتہ ان کا پایا جاتا ہے جس میں لاگ بھی ہے اور لگاؤ بھی۔ " ریگ دیروز" راشدؔ کے اس تصور ماضی کی ایک نمائندہ مثال ہے۔ آئندہ سطور میں اس نظم کے ذریعے راشدؔ کے اس تصور کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

راشدؔ نے عہد جدید کے بارے میں لکھا تھا "جدید شاعر نے جس نئے زمانے میں آنکھ کھولی ہے اس کا (تمام تر) ڈھانچہ پہلے زمانے سے مختلف ہے"[(۱)] راشدؔ اسی نئے نفسی ماحول کی پیداوار ہے۔ مغرب کے جدید علوم و فنون، لٹریچر اور فلسفیانہ نظریات کے اثرات کی یلغار، پہلی جنگِ عظیم، دوسری جنگِ عظیم، تقسیم ہند، وجودیت کی تحریک، پرانے عقائد اور پرانے طور طریقوں سے بے تعلقی، تشکیک، مذہبی اقدار سے بے اطمینانی، ماضی سے دوری راشدؔ کے دور کا وصف ہے۔ چنانچہ راشدؔ کی شاعری میں جس فرد کی تصویر ابھرتی ہے وہ بقول میراجی " جھجکتا ہوا تھکا ماندہ فرد ہے۔"[(۲)] جس کے ہاں ماحول سے سمجھوتہ نہ ہونے کے باعث توڑ پھوڑ کے احساسات ابھرتے ہیں۔ اسی وجہ سے راشدؔ ماضی کی روایات سے اپنا رابطہ توڑتے ہیں۔ ان کے ہاں نیا سماجی نظام پرانے سماجی نظام کو قبول نہیں کرتا۔ اس طرح ان کے ہاں ماضی سے کوئی گہرا تعلق نہیں ابھرتا۔ بقول تبسم کاشمیری "ان کے ہاں ماضی کی نفی کا تصور ابھرتا ہے جس نے ظلم کی حد تک ان کو اپنے تہذیبی ماضی سے کاٹ دیا ہے"۔ "راشدؔ کی شاعری میں ماضی کی روایات کے خلاف ایک شدید ردعمل اور بغاوت کا احساس ابھرتا ہے"۔ ان کے لئے صرف دو زمانے اہم ہیں۔ حال اور مستقبل[(۳)] ماضی سے انکار کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں ماضی مردہ ہے۔ حال کے لمحۂ موجود کے لئے اس کے پاس کوئی زندہ حل نہیں ہے۔ ماضی لاحاصلی اور بنجرپن کی علامت ہے جو بربادی، پس ماندگی، ظلم، جہالت، آمریت، رہبانیت، قدیم فلسفۂ حیات، زندگی سے گریز رویوں پر مبنی ہے۔ ماضی کے خلاف انہوں نے کئی نظموں میں اس ردعمل کا اظہار

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

کیا ہے۔ یہاں "ریگ دیروز" کے حوالے سے راشدؔ کے تصورِ ماضی کا تجزیہ مقصود ہے۔ اس نظم میں تخلیقی سطح پر ان کا ماضی کے خلاف ردِ عمل، اس کے اسباب، ماضی کا بنجر پن علامتی شکل میں نمودار ہوا ہے۔ راشدؔ نے ڈاکٹر آفتاب احمد کو ایک خط میں "زندگی اک پیرہ زن" کے حوالے سے اپنے ماضی اور اپنے نظریات کے متعلق لکھا تھا، اس بیان سے نہ صرف ان کے نظریات سمجھ میں آتے ہیں بلکہ "ریگِ دیروز" کے موضوعات اور راشدؔ کی ماضی سے متعلق برہمی کے حوالے سے بھی روشنی پڑتی ہے۔ یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے:۔

> "ہم کس قدر ماضی پرست لوگ ہیں۔ ماضی کے سرمائے کو کس قدر سینے سے لگائے رکھتے ہیں۔ اس کے پیچھے کس قدر دیوانہ وار دوڑتے ہیں...... ماضی پرستی دیوانگی سے زیادہ نہیں...... مجھے یقین ہے جب ہم کہتے ہیں کہ ہم تاریخ سے کوئی سبق حاصل کرتے ہیں۔ تو ہم اپنے آپ کو فریب دیتے ہیں...... ہمارے حالات، ہمارے وسائل سب بنیادی طور پر مختلف ہیں یہ (پرانی) تہذیب ہمیں ویسی ہی خوبصورت تہذیب کی تعمیر میں کوئی مدد نہیں دے سکتی"(۴)

"لا انسان" میں شامل پانچ بندوں پر مشتمل آزاد نظم "ریگِ دیروز" راشدؔ کے انہی خیالات کی صدائے باز گشت ہے۔ 'ریگِ دیروز' ماضی کی غیر تخلیقی فعلیت اور بنجر پن کی علامت ہے۔ راشدؔ کہتے ہیں کہ ہم اپنی اندھی جذباتی محبت کی بناہ پر ماضی کے تباہ حال خرابوں کے مکیں ہیں (محبت کے خرابوں کے مکیں)۔ ہم وقت کے طولِ المناک کے پروردہ ہیں۔ وہ طویل وقت جو ازلی و ابدی طور پر معنویت کے نور سے خالی ہے۔ جو بنجر ہے، تاریک ہے۔ ہم ماضی کے انہیں نہاں خانوں میں جذباتی طور پر رہتے ہیں۔ پہلے دو بندوں سے راشدؔ کا مقصد یہ ہے کہ ہمارا آغاز و انجام بے نور ہے۔ ہم اپنی صدیوں کی بربادی، ظلم، جہالت، پس ماندگی، آمریت و شہنشاہیت، رہبانی تصوف، توہم پرستی و قدامت پسندی سے لبریز ماضی کو اپنی منزل، اپنی تہذیبی وراثت سمجھ کر اس ماضی پر نازاں ہیں اور اس کا احیا چاہتے ہیں۔ راشدؔ کی ءنزدیک ماضی کی تہذیب تباہ شدہ "خرابے" ہیں جن سے ہماری اندھی محبت وابستہ ہے۔ اس نظم کے پہلے دو بند درج ذیل ہیں:۔

ہم محبت کے خرابوں کے مکیں
وقت کے طولِ المناک کے پروردہ ہیں
ایک تاریک ازل، نُورِ ابد سے خالی!

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ہم جو صدیوں سے چلے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ساحل پایا
اپنی تہذیب کی پاکوبی کا حاصل پایا!

ہم محبت کے نہاں خانوں میں بسنے والے
اپنی پامالی کے افسانوں پہ ہنسنے والے
ہم سمجھتے ہیں نشانِ سرِ منزل پایا!

تیسرے بند میں راشدؔ مخاطب ہیں کہ ہم محبت کے خرابوں کے مکیں ایک "باراں زدہ طائر" کی طرح ہیں۔ جو ماضی کے 'کنج قفس' میں بارش میں بھیگ کر بیٹھا ہوا ہو۔ راشدؔ ماضی کو قفس اور ہمیں ایک پرندہ قرار دیتے ہیں اسی کی طرح ہم ماضی کے پنجرے میں مقید ہیں اور اس قید میں آسودہ بھی ہیں اور جب کوئی "فتنۂ ناگاہ" ہم پر نازل ہوتا ہے تو اس پرندہ کی طرح ایک لمحے کے لئے چونکتے ہیں اور پھر ماضی کے خوابوں میں سو جاتے ہیں۔ ماضی کے اس تصور نے ہمارے قوم کو مضمحل کرکے رکھ دیا ہے۔ اور ہم مغربی اقوام کی قید میں مطمئن ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ ہماری آزادی اور حرکت و عمل سب کچھ سلب ہو گیا ہے۔ ان خیالات کو اس بند میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

ہم محبت کے خرابوں کے مکیں
کنجِ ماضی میں ہیں باراں زدہ طائر کی طرح آسودہ
اور کبھی فتنۂ ناگاہ سے ڈر کر چونکیں
تو رہیں سدِّ نگاہ نیند کے بھاری پردے

چوتھے بند میں راشدؔ کہتے ہیں کہ ہم محبت کے ایسے خرابوں کے مکیں ہیں جو تاریک ترین ہیں۔ جہاں "ضیا کے آہو" یعنی روشنی کی کرنیں آتی ہیں تو تیزی سے پلٹ جاتی ہیں۔ ماضی کے اس خرابے میں ظلم، جہالت، توہم پرستی، آمریت، بے عملی کی اسقدر تاریکی ہے کہ حال اور مستقبل کی روشنیاں بھی انہیں منور نہیں کر سکیں۔ ان میں "شبِ آلام" (ظلم و جہالت اور تاریکی) کی صدا گونج رہی ہے۔ "یاہو! یاہو!"، اس صدا کو مشرق کے بے عمل تصوف سے وابستہ کرکے دیکھا جائے تو ماضی ایک ایسے بھیانک، ویران، تاریک کھنڈر کے طور پر ہمارے سامنے آتا ہے جہاں پس ماندہ اقدار کی خوفناک صدائیں گونج رہی ہیں۔

ہم محبت کے خرابوں کے مکیں!

ایسے تاریک خرابے کہ جہاں
دُور سے تیز پلٹ جائیں ضیا کے آہُو
ایک، بس ایک، صدا گونجتی ہو
شبِ آلام کی "یاہو! یاہو"!

پانچویں اور آخری بند میں راشدؔ حتمی نتیجہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم "ریگِ دیروز" (ماضی کی دنیا) میں خواب بوتے رہے۔ ہمارا ماضی ریت کی طرح ہے۔ جس میں ہم نے خوابوں کے شجر بوئے ہیں۔ ماضی کی ریت میں کوئی بیج کیسے بر آمد ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ خواب شجرِ تناور نہ بن سکے اور نہ ہمیں ان کا سایہ نصیب ہو سکا البتہ ہم اس کے خواب ضرور دیکھتے رہے (محض خواب دیکھنا بے عملی کی علامت ہے)۔ ہمارا ماضی جو بنجر ہے، ریگستان ہے۔ وہ مستقبل میں ہماری مدد کیسے کر سکتا ہے۔

ہم محبت کے خرابوں کے مکیں
ریگِ دیروز میں خوابوں کے شجر بوتے رہے
سایہ ناپید تھا، سائے کی تمنا کے تلے سوتے رہے!

اس طرح بقول تبسم کاشمیری "ریگ دیروز" خود ماضی ہے۔ ماضی کی روایات ہیں۔ یہ ماضی کی تاریخ اور روایات و تہذیب کی علامت ہے۔ جس کے ساتھ بنجر پن کی معنویت وابستہ ہے۔ گویا یہ پوری نظم "ریگ دیروز" کی علامت کے حوالے سے اپنے تہذیبی بنجر پن، لاحاصلی اور بے معنویت کا اظہار ہے۔(۵)

غرض راشدؔ کے نزدیک ہمارا ماضی المناک ہے۔ بھیانک ہے، بنجر ہے، آمریت کا استعارہ ہے، پس ماندگی کی علامت ہے۔ یہ ہماری موجودہ حالات میں کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ راشدؔ کو ماضی سے قطعاً دلچسپی نہیں۔ ماضی میں ہمارے آئندہ مسائل کی کوئی کلید موجود نہیں۔ کوئی تجربہ ہمارا دستگیر نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ ماضی کے پرستار ہیں۔ وہ سہل انگار ہیں(۶) اس طرح راشدؔ نہ صرف فکری و نظری نظام کو بلکہ تہذیب و ثقافت کو بھی رد کر دیتے ہیں۔

راشدؔ ماضی سے بغاوت کے شاعر ہیں لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ اپنے تخلیقی اظہار میں فارسی، عربی اور مشرقی، ادبیات سے استفادہ کرتے ہیں۔ کے بعد قدیم عربی و عجمی اساطیر، روایات، استعارات و تلمیحات و ترکیبات کو سب سے زیادہ راشدؔ نے استعمال کیا ہے۔ مثلاً اسی نظم کی یہ ترکیبات ملاحظہ کریں۔ "ریگِ دیروز"، "محبت کے خرابوں کے مکیں"، "تاریک ازل"، "نور ابد"، "تہذیب کی پاکوی"، "محبت کے نہاں خانے"، "نشانِ

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

سرِ منزل"، "کنجِ ماضی"، "باراں زدہ طائر"، "فتنۂ ناگاہ"، "ضیا کے آہو"، "شبِ آلام"، "یاہو! یاہو!"، "خوابوں کے شجر"، "سائے کی تمنا" ان سب پر فارسی اثرات کا غلبہ ہے۔ یہ حقیقت مد نظر رکھنی چاہیے کہ ان کے ہاں فارسی شعری لغت کا غلبہ محض اتفاق پر مبنی ہے کہ نہ ذاتی دلچسپی کی بنا پر، وہ خود کہتے ہیں کہ "میری نظموں میں فارسی الفاظ کی بھرمار شاید اس تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہو جو بزرگوں کی 'غلطی' سے ہوئی۔"(۷)

ماضی و حال ایک تسلسل کا نام ہے چنانچہ ماضی کا احساس بھی راشدؔ کے شعور کا ایک حصہ ہے۔ یادِ ماضی کی مختلف تصویریں دراصل مشرق کی زبوں حالی اور پسماندگی کے اس احساس کا پرتو ہیں۔ زبوں حالی کا سبب راشدؔ کے ہاں ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ مشرق کی زبوں حالی اور پسماندگی کا ایک بدیہی سبب تو راشدؔ کو مغرب کی ستم گری میں نظر آتا ہے لیکن اس کے دوسرے اسباب ان کے خیال میں خود مشرق کے قدیم فلسفہ حیات، اس کے تصوف، درویشی، اس کے اوہام پرستی اور قدامت پسندی سے متعلق ہیں۔ چنانچہ راشدؔ ان پر اکثر طنز کرتے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ راشدؔ کے یہاں اپنے ماضی سے ایک گہرا انہماک پایا جاتا ہے۔ اقبالؔ کے ہاں ماضی سے لگاؤ کا رشتہ ہے اور راشدؔ کے ہاں لاگ کا، لیکن لاگ کے رشتے سے بھی تو ایک تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ ماضی سے راشدؔ کے تعلق کا ایک پہلو ایسا ہے جہاں لاگ اور لگاؤ کا کوئی سوال ہی نہیں ہے اور وہ ہے تو مشرق کی قدیم ادبی اور فکری روایات سے ان کی آگہی۔ راشدؔ نئے شعور کے شاعر ہیں۔ ان کی جدیدیت میں کسی کا کلام نہیں ہو سکتا لیکن یہ آگہی بھی ان کے شعور کا حصہ ہے۔ چنانچہ قدیم تصورات، تمثال اور تلمیحات کی طرف ان کے کلام میں جتنے اشارے ملتے ہیں وہ کسی اور جدید شاعر کے ہاں نہیں ملتے۔ راشدؔ تلمیحات کو اپنے تخلیقی تجربے کا حصہ بنا کر اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ان میں ایک تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ راشدؔ کا یہ کمال ان کے جدید طرزِ احساس اور تخلیقی جرات کی علامت ہے۔

چنانچہ ماحول، خاندان، تعلیم و تربیت کی بنا پر جنم لینے والا یہ شعری، سرمایہ محض مظاہر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس تہذیب و لغوی سرمائے کو راشدؔ نے شطرنج کے مہروں کی طرح حسبِ منشاء حرکت دے کر نئی معنویت دی ہے۔ ماضی سے ان کا زندہ جذباتی تعلق نہیں "راشدؔ نے اس کلچر کے صرف معروضات ہی کو برتا ہے۔ روح کو ترک کر دیا ہے اس طرح یہ چیزیں راشدؔ کے ہاں روایتی معنویت سے نکل کر جدیدیت میں ڈھل گئی ہیں۔"(۸)

نظم کی تراکیب، استعارات اور تلمیحات کو مد نظر رکھا جائے تو ان پر اقبالؔ کے اثرات واضح نظر آتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ راشدؔ پر اقبالؔ کا گہرا اثر موجود ہے۔ شعری لغت، تہذیبی لاشعور، ارضِ مشرق کے کرب، مشرق کی بدحالی، اسے بدلنے کا شدید جذبہ، ارضِ مغرب کی چیرہ دستیاں وغیرہ اس کا ثبوت ہیں کہ راشدؔ، اقبالؔ کا

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

رد عمل ہونے کے باوجود اس سے متاثر ہیں۔ البتہ اقبالؔ کے لئے ماضی مردہ نہیں ہے۔ اس کے استعارے، تلمیحات، اقبالؔ کے لئے جذباتی معنویت رکھتے ہیں۔ اقبالؔ ماضی کو یکسر انداز کرنے کی بجائے ماضی کی بنیادوں پر عمارت اٹھاتے ہیں۔ اس کے برعکس راشدؔ کے لئے ماضی مردہ ہے۔ وہ ماضی کی یکسر نفی کرتے ہیں۔ ان استعاروں سے راشدؔ کو کوئی قلبی لگاؤ نہیں ہے۔ یہ استعارے اقبالؔ کے لئے فکری سرچشموں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر راشدؔ کے لئے محض ایک بے روح علامت ہیں۔ راشدؔ کا فکری زاویہ، فکری نظام اقبالؔ سے مختلف ہے۔ تاہم اسالیبِ شعری اور کچھ (جیسا کہ سطورِ بالا میں ذکر کیا گیا) موضوعات میں راشدؔ اور اقبالؔ ایک دوسرے کے قریب ہیں۔

"ریگ دیروز" کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ راشدؔ ماضی کی نفی کرنے کے باوجود اپنے قدیم تہذیبی حوالوں کے بغیر بمشکل ہی چلتے ہیں۔ اقبالؔ کے بعد جتنا استفادہ اپنے تہذیبی پس منظر سے راشدؔ نے کیا ہے وہ کسی اور شاعر بلکہ فیض کے ہاں بھی نہیں ہے۔ البتہ اقبالؔ کے برعکس ماضی کا یہ سرمایہ راشدؔ کے لیے محض ایک مظاہر کی حیثیت رکھتا ہے، اور یہ مظاہر محض بے جان چیزیں ہیں۔ ان کے اندر کوئی روح یا باطنی مفہوم موجود نہیں۔ اسی تہذیبی لاشعور کے ذریعے 'ریگ' نے یعنی 'ریت' نے راشدؔ کے ہاں جدید اُردو شاعری میں پہلی بار ایک نئی تخلیقی تمثال کی شکل اختیار کی ہے۔(۹) راشدؔ ان مظاہر کے اندر کوئی باطنی تجربے کی کشش محسوس نہیں کرتے، انہوں نے ماضی کے اس کلچر کے صرف معروضات کو لیا ہے۔ روح کو ترک کر دیا ہے، اس کے تلازمات میں جدیدیت اور جدید حسیت پیدا ہو گئی ہے۔ شعوری طور پر راشدؔ ماضی کے مخالف ہیں، اپنے ماضی کی تہذیب کی نفی کرتے ہیں لیکن لا شعوری طور پر اس کی علامات میں کشش محسوس کرتے ہیں۔ وہ شعوری طور پر ماضی کو دباتے بھی ہیں اور لا شعوری طور پر اس کو دیکھتے بھی رہتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ پہلے کہا گیا ان کا یہ دیکھنا صرف اوپر اوپر سے دیکھنا ہے وہ اس کو اپنے دل میں نہیں اُتارتے، اس طرح دراصل "ریگ دیروز" راشدؔ کے ہاں حال اور مستقبل کی نظم جنم لیتی ہے۔ راشدؔ ماضی کے ان تجربات کے بغیر حال کے تخلیقی تجربے کا اظہار نہیں کرتے۔

اس نظم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ماضی کے ساتھ راشدؔ کا لاگ کا رشتہ ہے۔ راشدؔ کی نظر میں آج کے انسان کے لیے ماضی میں کچھ نہیں۔ راشدؔ کے ہاں ماضی سے بغاوت اقبالؔ اور ترقی پسندوں کے برعکس بالکل حتمی و قطعی ہے۔ اس قطعیت میں بغاوت کی توانائی بھی ہے اور کمزوری بھی۔ بقول وارث علوی اقبالؔ ماضی کی بوسیدہ اور فرسودہ روایتوں کو ترک کر کے اقبالؔ ماضی کو ایک زندہ حقیقت کے طور پر لیتے ہیں۔ وہ ماضی کو ترک کرنے کے باوجود اس کے صحت مند اجزاء سے حال میں رہتے ہوئے مستقبل کے لیے استفادہ کے قائل ہیں۔ یوں ان کے ہاں

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ماضی، حال اور مستقبل ایک تسلسل کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ اقبالؔ کے برخلاف ترقی پسندوں نے ماضی کو ایک فرسودہ کتاب سمجھ کر بند کر دیا۔ البتہ اس میں سے کچھ خوبصورت تصاویریں نکال کر اپنی شاعری کے نگار کانہ میں آویزاں کر لیں۔ لیکن راشدؔ ان خوبصورت تصاویروں کو بھی تلاش نہیں کرتا، اس کا رویہ ہر صورت ایک باغی کا ہے۔ اس میں اس فطری تجزیے اور فکری تحرک کی کمی ہے جس میں ماضی کو حال کا جز بنا کر اچھے مستقبل کا خواب دیکھا جاتا ہے جو اقبالؔ کا وصف ہے۔ یہ ایک زندہ معاشرے کی دلیل ہے کیونکہ اگر ماضی پرستی زوال اور جمود کی علامت ہے تو ماضی کو ترک کر دینا بھی اپنی جڑوں سے محروم ہونے کا عمل ہے۔ صرف وہی معاشرہ تخلیقی طور پر توانا رہ سکتا ہے جو تینوں زمانوں کو ایک کلیت میں دیکھے اور انہیں ساتھ لے کر چلے۔ راشدؔ کے ہاں حسن و جمال تو ہے لیکن فکری توانائی نہیں ہے۔ "ریگ دیروز" سے ظاہر ہوتا ہے کہ دراصل راشدؔ کی اپنی شاعری ماضی، حال اور مستقبل کے حوالے سے فکری سطح پر "ریگ" کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ راشدؔ ماضی کو بنجر قرار دیتا ہے جب کہ صحت مند ذہن تو ماضی کو لے کر آگے بڑھتا ہے۔

ہمارے آج کے عہد میں جس میں ہم زندہ ہیں اور راشدؔ بھی زندہ تھے، اس میں آدمی کا مسئلہ ماضی سے رشتہ توڑنے کا نہیں بلکہ ماضی کو پس منظر بنا کر ایسے مقام و مرتبے اور قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگانے کا ہے۔ بہر حال یہ نظم راشدؔ کے تصورات ماضی کے حوالے سے ایک بنیادی نظم کی حیثیت رکھتی ہے جس سے ہمیں ان کے اس فکری رویے کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ راشدؔ، ن۔ م، ایران میں اجنبی، المثال، لاہور ۱۹۶۹ء، ص ۱۴۱
۲۔ میراجی، اس نظم میں، آج، کراچی، ۲۰۰۲ء، ص ۱۱۰، ۱۰۸
۳۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، لاراشدؔ، نگارشات، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۰۱، ۱۰۰، ۴۷
۴۔ ڈاکٹر آفتاب احمد، ڈاکٹر، ن۔ م۔ راشدؔ، شاعر اور شخص، مکتبہ دانیال، کراچی، ۱۹۹۵ء، ص ۱۲۱، ۱۲۲
۵۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، لاراشدؔ، ص ۱۰۰
۶۔ راشدؔ، ن۔ م، لا انسان، المثال، لاہور، ۱۹۶۹ء، ص ۲۱
۷۔ ایضاً، ص ۳۴
۸۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، لاراشدؔ، ص ۲۱
۹۔ ایضاً، ص ۱۳